مباحثہ ومکالمہ

مفتی امان اللہ نادرخان*

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ڈاکٹر رضوان علی ندوی کی تنقید (۲)

پانچویں اعتراض کا جواب

اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں''۔

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ اگر "لا یصح" سے مراد ''صحیح اصطلاحی'' کی نفی ہو تو یہ بات ہوسکتی ہے، لیکن یہ مضر نہیں اس لیے کہ ''صحیح اصطلاحی'' احادیث کا تو وجود ہی کم ہے، یہی وجہ ہے کہ عام شرعی احکام اور فضائل ''حدیث حسن'' سے ثابت ہوتے ہیں، یہی ابن راہویہ کی مراد ہے۔ اور اگر یہ مراد لیا جائے کہ کوئی حدیث ثابت ہی نہیں، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کا مدعا ہے، تو یہ بات بالکل غلط ہے، اس لیے کہ ''حسن'' درجے کی کئی احایث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں جو از روئے اسناد صحیح ہیں۔ اختصاراً یہاں کچھ ذکر کرتے ہیں:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں پہلی حدیث

(۱) مسند احمد کی روایت ہے:

حدثنا علي بن بحر، حدثنا الوليد بن مسلم، حدثنا سعيد بن عبد العزيز عن ربيعة بن يزيد عن عبد الرحمن بن أبي عميرة الأزدي عن النبي ﷺ أنه ذكر معاوية وقال: اللهم اجعله هادياً مهدياً و أهد به'' (مسند احمد: ۴۲۶/۲۹)

محقق شعیب ارنوؤط سند کی تصحیح اور رجال کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''رجاله ثقات، رجال الصحيح''.

اس کے علاوہ کئی جلیل القدر محدثین نے مختلف طرق سے اس کی تخریج کی ہے، چنانچہ امام بخاری نے ''التاریخ

*رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

الکبیر'' (۲۴۰/۵)، (۳۲۷/۷)، امام ترمذی نے اپنی ''جامع'' (۳۸۴۲) ابن ابی عاصم نے ''الآحاد والمثانی'' (۱۱۲۹)، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ (۲۰۷/۱، ۲۰۸)، امام ابوبکر الخلال نے ''السنۃ'' (۶۹۹) ابن قانع نے ''معجم الصحابۃ'' (۱۴۶/۲)، امام طبرانی نے ''الأوسط'' (۶۶۰)، ابونعیم اصفہانی نے ''حلیۃ الأولیاء'' (۳۵۸/۸)، خطیب تبریزی نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' (ص: ۵۷۹)، امام ذہبی نے ''تاریخ الإسلام'' (۳۴۴/۲)، حافظ نور الدین ہیثمی نے ''موارد الظمآن'' (۵۶۶)، ابن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' (۱۳۶/۷)، ابونعیم نے ''أخبار أصفہان'' (۱۸۰/۱)، ابن الاثیر جزری نے ''أسد الغابۃ'' (۳۸۶/۴) حافظ ابن کثیر نے ''البدایۃ والنہایۃ'' (۱۲۹/۸) ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' (۶۸۶/۶)، امام نووی نے ''تہذیب الأسماء واللغات'' (۱۰۳/۲، ۱۰۴)، ابن ابی حاتم نے اپنی ''علل'' (۳۶۲/۲)، امام احمد نے ''کتاب فضائل الصحابۃ'' (۹۱۳/۲، ۱۴) اور ابن حجر ہیثمی نے ''تطہیر الجنان'' (ص: ۱۱، ۱۲) میں اس کو ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ''ڈاکٹر صاحب'' اس ''حسن'' درجے کی حدیث کو ابن الجوزی کے حوالے سے ''موضوع کہہ کر آگے چل دیے۔

ہم یہاں ڈاکٹر صاحب کی ''خیانتوں'' اور ''حدیث دانی'' کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ ابن الجوزی نے دو طرق سے یہ روایت نقل کی، ایک میں ''محمد بن اسحاق'' اور دوسرے میں ''اسماعیل بن محمد'' پر کلام کر کے اسے رد کر دیا، ہماری روایت میں یہ دونوں راوی نہیں، ایک طریق کا حکم لے کر دوسرے پر چسپاں کرنا خالص ''علمی افتراء''، ''تلبیس ابلیس'' اور ''تحقیقی خیانت'' ہے۔

۲۔ ابن الجوزی نے ''لا یصحان'' کہا تھا، جو اعم ہے ''موضوع'' سے۔ حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ ہر ''موضوع'' حدیث ''لا یصح'' ہوتی ہے، جب کہ ہر ''لا یصح'' حدیث ''موضوع'' نہیں ہوتی، لہٰذا اسے ''موضوع'' قرار دے کر اس کی نسبت ابن الجوزی کی طرف کرنا نرا بہتان اور خالص افترا ہے۔

۳۔ علیٰ سبیل التسلیم ''موضوع'' مان لینے سے یہ حکم اسی طریق کا ہوگا، جسے ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے باقی پر یہ حکم بوجہ عدم وجودِ علت نہیں لگے گا۔

۴۔ پھر اس سے زیادہ سے زیادہ مذکورہ طریق ہی ''موضوع'' کہلائے گا نفسِ حدیث کا موضوع ہونا پھر بھی کسی صورت ثابت نہیں ہوتا۔

۵۔ ڈاکٹر صاحب کا مبلغ علم دیکھیے کہ دیگر تمام جلیل القدر محدثین کرام کی تصحیح، تحسین وتوثیق کو یکسر نظر انداز کر کے صرف ابن الجوزی کی بات پر (اور اسکی حقیقت بھی ہم واضح کر چکے) اعتماد کر کے ایک صحیح حدیث کو رد کر دیا۔

(۶) ڈاکٹر صاحب کو ''سیر الأعلام'' کے بیالیس صفحات میں یہ حدیث نظر نہیں آئی؟

(۷) امام ذہبی نے اس موضوع پر اکیس ''موضوع'' احادیث کی نشاندہی ''سیر الأعلام'' میں کروائی ہے، ان میں مذکورہ حدیث کو شمار نہیں کیا۔ (سیر الأعلام: ۱۲۸/۳۔۱۳۱)

اس اعتراض کا تحقیقی جواب یہ ہے:

۱۔حضرات محدثینِ کرام وماہرین علومِ حدیث کے نزدیک علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا شمار ''متشددین'' میں ہوتا ہے، جو جرحِ راوی اور تضعیف روایت میں سختی سے کام لیتے ہیں۔(قواعد في علوم الحدیث،ص:۱۸۸والرفع والتکمیل،ص:۳۲۰،۳۲۱)

۲۔ان حضرات (جن کا شمار ''متشددین'' میں ہوتا ہے) کی جرح کا حکم یہ ہے کہ ان کی جرح اس وقت مقبول ہوگی، جب دیگر محدثینِ کرام نے ان کی موافقت کی ہو اور مقابلے میں کسی اور محدث سے توثیق منقول نہ ہو، یا اگر توثیق بھی منقول ہو تو پھر جرح مفسر ہو، ورنہ ان کی جرح محدثین کے ہاں معتبر نہیں۔(قواعد في علوم الحدیث،ص:۱۸۸-۱۹۰)

۳۔ثقہ محدثین کرام کی تصریحات کے مطابق اسی تشدد وافراط کے نتیجہ میں ابن الجوزی رحمہ اللہ نے صحاح ستہ کے علاوہ مسند أحمد، مستدرک حاکم، السنن الکبریٰ، شعب الإیمان، دلائل النبوۃ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمۃ، سنن الدارقطني، اور مسند دارمي کی بعض ضعیف، بعض حسن، بلکہ بعض ''صحیح'' درجے کی احادیث پر بھی کلام کیا ہے اور اسے ''موضوع'' قرار دیا ہے۔نیز! حضراتِ محدثین کرام نے ایسی تمام احادیث کی باقاعدہ نشاندہی کی ہے اور انہیں شمار کیا ہے، جن کی تعداد ۳۰۰ تک پہنچتی ہے۔(تدریب الراوي:۱/۲۷۸۔منہج النقد،ص:۲۹۷،۲۹۸۔الأجوبۃ الفاضلۃ،ص:۱۶۳،۱۶۹).

۴۔اسی وجہ سے کئی جلیل القدر محدثین کرام نے علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کا اس صنیع پر خوب تعاقب کیا ہے جسے علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی ''اللآلي المصنوعۃ''، ''ذیل اللآلي المصنوعۃ''، ''النکت البدیعات''، اور شروح سنن ''ابی داؤد، نسائی وابن ماجہ'' وغیرہ میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''القول المسدد'' اور ''الخصال المکفرۃ'' میں اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی ''تلخیص کتاب الموضوعات'' اور ''تلخیص العلل المتناہیۃ'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

۵۔محدثین کرام کی تصریحات کے مطابق علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کی مذکورہ تسامحات کے دو سبب ہیں:

الف: کسی راوی پر کسی محدث کی جرح ہوتی ہے (اگرچہ یسیر ہو) علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ اسی کو مدار بنا کر روایت کو رد کر دیتے ہیں اور اس راوی کے حق میں دیگر محدثین کرام کے توثیقی وتعدیلی کلمات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ب: دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی روایت کے کسی ایک طریق محدثین کرام نے ''وضع'' کا حکم لگایا ہوتا ہے، جب کہ اسی روایت کے دیگر صحیح طرق بھی موجود ہوتے ہیں، علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ مغالطہ میں پڑ کر ''مطلق متن'' پر ''وضع'' کا حکم لگا دیتے ہیں، جس کی زد میں ''صحیح طُرق'' بھی آجاتے ہیں، حالانکہ دیگر محدثینِ کرام کا کلام نہ ''مطلق متن'' اور نہ ہی دیگر ''صحیح طرق'' پر ہوتا ہے۔

۶۔ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کے اس افراط وتفریط کی شہادت علامہ سیوطی، حافظ ابن حجر، حافظ سخاوی، حافظ انصاری، حافظ عراقی، امام نووی، حافظ ذہبی اور دیگر جلیل القدر محدثینِ کرام رحمہم اللہ نے دی ہے۔

مذکورہ حدیث پر جو کلام علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کیا ہے یہ بھی ان کے جملہ اوہام اور تسامحات میں سے ہے، جس کی تصریح حافظ ذہبی نے ''تلخیص العلل المتناہیۃ'' میں کی ہے، چناں چہ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کے ایک طریق میں ''محمد بن اسحاق لؤلؤی'' نامی راوی پر کلام کیا ہے، حافظ ذہبی نے یہاں ابن الجوزی کو ہونے

والے مغالطے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"قال ابن الجوزي : مداره على محمد بن إسحاق اللؤلؤي، ولم يكن ثقة، وهذا جهل منه؛ فإنما محمد بن إسحاق هنا أبو بكر الصاغاني، ثقة". (تلخیص العلل المتناہیۃ،ص:۹۳)

یعنی ابن الجوزی نے یہاں لاعلمی اور مغالطہ سے مذکورہ راوی کو "محمد بن اسحاق لؤلؤی بلخی" سمجھا ہے، جس پر انہوں نے جرح نقل کی ہے، حالاں کہ یہ محمد بن اسحاق "ابوبکر صاغانی" ہیں اور یہ "ثقہ" راوی ہیں۔

پھر علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ایک دوسرے طریق میں "اسماعیل بن محمد" نامی راوی پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

قال الدارقطني: إسماعيل بن محمد ضعيف كذاب".

حافظ ذہبی نے اس پر استدراک کرتے ہوئے فرمایا:

"وهذه بلية أخرىٰ، فإنما إسماعيل هنا هو الصفار -ثقة- والذي كذبه الدارقطني هو المزني، يروي عن أبي نعيم". (تلخیص العلل المتناہیۃ،ص:۹۴)

یعنی یہ دوسری مصیبت ہے اس لیے کہ یہاں روایت میں جو "اسماعیل بن محمد" نامی راوی ہیں، یہ "اسماعیل بن محمد الصفار" ہیں، جو ایک "ثقہ" راوی ہیں۔ اور ابن الجوزی نے امام دارقطنی کے حوالے سے جن کی تکذیب نقل کی ہے، وہ "اسماعیل بن محمد المزنی" ہیں، جو "ابونعیم" سے روایت کرتے ہیں۔

اس تحقیقی جواب کی تفصیل کے لیے دیکھیے: "معرفۃ أنواع علم الحدیث" (ص:۲۰۴)، "تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ" (۱/۱۰)، "فتح المغیث" (۱/۲۷۵، ۲۷۶)، "قواعد في علوم الحدیث" (ص:۱۸۸-۱۹۰)، "الرفع والتکمیل في الجرح والتعدیل" (ص: ۳۲۰، ۳۲۵)، "تدریب الراوي" (۱/۲۷۸، ۲۷۹)، "منہج النقد في علوم الحدیث" (ص: ۲۹۷، ۲۹۸)، "الأجوبۃ الفاضلۃ للأسئلۃ العشرۃ الکاملۃ" (ص:۱۶۳-۱۷۱) اور "تلخیص العلل المتناہیۃ" (ص:۹۳، ۹۴)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں دوسری حدیث

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عنایت فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما"۔

دیکھیے: "مسند أحمد" (۴/۱۲۷)، "مجمع الزوائد" (۹/۳۵۶)، "کتاب فضائل الصحابۃ للأمام أحمد" (۲/۹۱۳، ۹۱۴)، "موارد الظمآن" (ص: ۵۶۶)، "کتاب المعرفۃ والتاریخ للبسوي (۲/۳۴۵)، "أنساب الأشراف للبلاذري" (۴/۱۰۷)، "تاریخ دمشق" (۱۶/۶۸۳)، "تاریخ الإسلام للذہبي" (۲/۳۱۸)، "الاستیعاب" (۳/۳۸۱)، "البدایۃ والنہایۃ" (۸/۱۲۰)، "الإصابۃ" (۱/۳۸۵، ۳۸۶)، "کنز العمال" (۶/۱۹۰)، (۷/۸۸)، "جزء الحسن بن عرفۃ العبدي" (رقم الحدیث :۳۶، ۶۶) بحوالہ سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، از مولانا محمد نافع مدظلہ، (۱/۱۱۲)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں تیسری حدیث

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''معاویہ کا تذکرہ خیر وخوبی کے سوا مت کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا ہے کہ آپ معاویہ کے حق میں فرماتے تھے: ''اے اللہ! انہیں ہدایت نصیب فرما''۔

دیکھیے: ''سنن الترمذي'' (ص: ۵۴۷)، ''التاریخ الکبیر للبخاري'' (۳۲۸/۴)، ''البدایۃ والنہایۃ'' (۸/ ۱۲۲)، ''تاریخ دمشق'' (۶۸۶/۱۶).

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چوتھی حدیث

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھے، آپ نے ارشاد فرمایا: کہ آپ کے جسم کا کون سا حصہ میرے قریب تر ہے؟ تو حضرت معاویہ نے فرمایا: میرا شکم آپ کے نزدیک ہے، تو اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! اسے علم وحلم سے پُر فرما''۔

دیکھیے: ''التاریخ الکبیر للبخاري'' (۱۸۰/۴)، ''علل الحدیث لابن أبي حاتم'' (۳۵۹/۲)، ''تاریخ الإسلام للذہبي'' (۳۱۹/۲)، ''تاریخ دمشق'' (۶۸۸/۱۶) بحوالہ سیرت معاویہ رضی اللہ عنہ، از مولانا محمد نافع (۱۱۵/۱)

ابن عساکر نے ''تاریخ دمشق'' میں ''نفی فضیلتِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ روایات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد روایات میں سے اصح ترین ہیں:

''أصح ماروي في فضل معاوية، حديث أبي حمزة عن ابن عباس أنه ''كان كاتب النبي ﷺ''، فقد أخرجه مسلم في صحيحه، وبعده حديث،'' اللهم علمه الكتاب والحساب''، وبعده حديث ابن أبي عميرة : ''اللهم اجعله هادياً مهدياً''(۶۹۷/۱۶)

اسی کو ابن عراق کنانی نے بھی ''تنزیہ الشریعۃ'' میں علامہ سیوطی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (تنزیہ الشریعۃ: ۸/۲، ذیل اللآلی للسیوطی، ص: ۷۵)

حافظ ابن کثیر مندرجہ بالا احادیث پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

''ہم نے اس مسئلہ میں موضوع ومنکر روایات سے احتراز کر کے صرف صحیح، حسن اور جید روایات کے بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے''۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۱۲۲/۸)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا بحری جہاد کرنے والے لشکر کو جنت کی خوشخبری دی ہے (بخاری، کتاب الجہاد: رقم: ۲۹۲۴) اور محدثین ومؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلی بار غزوہ (جسے ''غزوہ قبرص'' کہا جاتا ہے) ۲۷ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں پیش آیا۔

اب ڈاکٹر صاحب پر اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے اصولی طور سے لازم ہے کہ وہ ہماری ذکر کردہ پانچوں ''صحیح احادیث'' کو جملہ طرق کے ساتھ ''موضوع'' ثابت کریں، اس لیے کہ ایک طریق کی صحت سے بھی فی الجملہ مضمون کا

ثبوت ہو جاتا ہے اور صرف ''ضعیف'' ثابت کرنے سے بھی بات نہیں بنے گی کہ ''باب الفضائل'' میں ضعیف حدیث تین شرائط کے ساتھ مقبول ہے، پھر تعدد طرق سے تو وہ بھی قوی ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ذکر کردہ ''مطاعن'' کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔

پہلے طعن کا جواب

ا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنانا، حمص کی ولایت انھیں سپرد کرنا، بعد ازاں شام کے تمام علاقے ونواحی ان کی امارت میں دینا اور اپنے دورِ خلافت کے آخر تک انہیں برقرار رکھنا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی ان سے یہی معاملہ برقرار رکھنا ظاہر ہے کہ اسی کو ''اعتمادِ خاص'' کہا جاتا ہے۔

رہی بات دُرّے مارنے والے واقعے کی، سو وہ ایک جزوی واقعہ ہے جو نہ ''اعتمادِ خاص'' کے منافی ہے اور نہ ہی ''نفی فضیلت'' کو مستلزم ہے۔ پھر یہ ان حضرات کا ''غایتِ تقوی'' اور ''کمال'' تھا کہ ذرا سی بات پر بھی فوراً گرفت فرماتے۔ ساتھ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ''جلالی شان'' بھی اگر مدنظر رکھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ کئی احادیث میں ان کا یہ مقولہ مذکور ہے:

''دعني يا رسول الله ﷺ! أضرب عنق هذا المنافق''

اسی تناظر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بات کو بھی دیکھ لیا جائے کہ

''یہ اللہ کا اقتدار ہے وہ نیک کو بھی دیتا ہے اور فاجر کو بھی''۔

پھر کسی بھی صحابی سے متعلق ''معصومیت'' کا دعویٰ ہم نے کب کیا ہے؟ ان سے بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہوئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مغفرتِ کاملہ فرمائی۔ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''لقد تاب توبة لو قسمت بين أمة لوسعتهم'' (مسلم، رقم:۴۴۳۱)

لیکن ڈاکٹر صاحب اب بھی معاف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ''سیر الأعلام'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اے اللہ! ابوسفیان پر لعنت کر''۔

لیکن آپ کا یہ مبارک ارشاد یاد نہیں: ''الإسلام يهدم ما كان قبله''، یہ کہاں کی تحقیق ہے؟ ''رافضیت نوازی'' اور کس چیز کا نام ہے؟

دوسرے طعن کا جواب

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کی مدح سرائی میں فرمایا کرتے تھے کہ:

''تم قیصر وکسریٰ کی دانائی اور زیرکی کا ذکر کرتے ہو، حالانکہ تمہارے پاس معاویہ جیسے دانشمند اور زیرک آدمی موجود ہیں''۔

کبھی فرماتے:

''تم ہرقل اور کسری کی ہوشمندی وہوشیاری سے تعجب کرتے ہو اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ بیٹھتے ہو''۔

بعض دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نظر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

''دانائی اور زیرکی میں معاویہ رضی اللہ عنہ تو عربوں کے کسری ہیں''۔

دیکھیے: ''الکامل في التاریخ'' (۳/۳۷۴)، ''تاریخ الإسلام'' (۲/۳۴۳)، ''البدایۃ والنہایۃ'' (۸/۱۳۲).

لیکن ڈاکٹر صاحب نے جب ''تعصب'' (بلکہ رافضیت) کی عینک سے مطالعہ کیا، تو انہیں یہ منقبت بھی مذمت نظر آئی، نتیجۃً اس کا جو مفہوم بیان کیا، وہ قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

تیسرے طعن کا جواب

۳۔ ''**لاأشبع الله بطنه**'' کے جواب سے قبل ڈاکٹر صاحب کے چند ''تسامحات'' کی نشاندہی ضروری ہے:

(۱) ابتداءً حوالہ ''مسند احمد'' کا دیا گیا ہے، حالانکہ اس میں نہ تین مرتبہ کا ذکر ہے اور نہ ہی بددعا کا۔

(۲) مسند احمد میں ''وکان کاتبہ'' (کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے،) بھی مذکور ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

(۳) آپ نے انہیں کتابتِ وحی کے لیے بلایا تھا۔

(۴) تین مرتبہ بلائے جانے اور بددعا کا ذکر ''سیر الأعلام'' (۳/۱۲۳) اور ''البدایۃ والنہایۃ'' (۸/۱۲۶) میں ہے، جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب نے دیا ہے، لیکن دونوں جگہ ''وکان یکتب الوحي'' کی تصریح ہے اور دونوں حضرات نے اس کے بعد انتہائی بہترین ومناسب توجیہ بھی ذکر کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ آپ کی طرف سے دعا ہے، بددعا نہیں۔ یہ دونوں باتیں بھی ''ڈاکٹر صاحب'' کی ''دیانت'' کی نذر ہوگئیں۔

اب اصل جواب کی طرف آتے ہیں، وہ یہ کہ حدیث کی کتاب ''مسند احمد'' میں جو اصل واقعہ مذکور ہے، اس میں نہ تین مرتبہ کا ذکر ہے، نہ بددعا کا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی راوی کا اپنا ادراج ہے، البتہ مزید تتبع سے ''مسلم'' میں بھی یہ روایت ملی، وہاں دو مرتبہ کا ذکر ہے اور مذکورہ بددعا کا بھی۔

علامہ بلاذری نے ''أنساب الأشراف'' میں لکھا:

''**قال أبو حمزة: فكان معاوية بعد ذلك لا يشبع**''. (۴/۱۰۶)

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ یہ راوی ابوحمزہ (جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں) کا ادراج ہے، یہ ابوحمزہ عمران بن ابی عطاء الأسدی الواسطی ہیں، ایک متکلم فیہ راوی ہیں، علمائے رجال نے ان پر نقد وکلام کیا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے: ''المغني في الضعفاء'' (۲/۱۳۶)، ''کتاب الضعفاء الکبیر'' (۳/۲۹۹)، ''میزان الاعتدال'' (۳/۲۳۹)، ''الجرح والتعدیل'' (۶/۳۸۷)، ''تہذیب الکمال'' (۲۲/۳۴۳)، ''تہذیب التہذیب'' (۸/۱۳۶)، ''تقریب التہذیب'' (ص: ۴۳۰).

ان کی تضعیف یا توثیق سے متعلق حتمی رائے قائم کرنا تو مشکل ہے، البتہ امام نووی کی تصریح کے مطابق اتنی بات متفق علیہ ہے کہ ان کی صرف ایک ہی روایت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہے، جو مسلم اور مسند احمد میں ہے اور اس میں ان کی متابعت کوئی نہیں۔ (شرح النووی: ۱۶/۱۷۱) ۔حاصل یہ ہے کہ یہ ان کا متفردانہ قول ہے اور راوی کا متفرد قول بغیر متابعت کے لائق اعتناء نہیں ہوتا، پھر روایت پر نقد وکلام سے قطع نظر اس جملہ کا صحیح محمل موجود ہے، وہ یہ کہ یہ "ثَکِلَتْکَ أُمُّکَ"، "تَرِبَت یداک" اور "علی رَغمِ أنفک" کے قبیل سے ہیں جو بغیر کسی قصد کے صادر ہوتے ہیں، اس توجیہ کو امام نووی نے اختیار کیا ہے۔ (شرح النووی: ۱۶/۱۷۱)

امام ذہبی نے "سیر الأعلام" میں یہ مطلب بیان کیا کہ "اللہ ان کو شکم سیری نہ دے، تا کہ قیامت کے دن انہیں بھوک کی تکلیف نہ ہو"۔ (۳/۱۲۳) اس لیے کہ آپ نے فرمایا:

"جو شخص دنیا میں سب سے زیادہ شکم سیر ہوگا، وہ آخرت میں سب سے زیادہ بھوکا ہوگا"۔ (ترمذی: ۲۴۷۸) و (ابن ماجہ: ۳۳۵۰) و (ابن ابی الدنیا فی الجوع: ۲/۲) و (مجمع الزوائد: ۵/۳۱)

تیسری توجیہ: امام نووی فرماتے ہیں کہ امام مسلم نے پہلے یہ حدیث ذکر کی کہ:

"اے اللہ! میں اگر کسی بھی شخص کو ایسی بد دعا دوں، جس کا وہ مستحق نہ ہو، تو اس بد دعا کو اس کے لیے گناہوں سے پاک کرنے، تزکیہ اور قربت کا ذریعہ بنا"۔

پھر اس سے متصل ہی مذکورہ حدیث کو لا کر استنباط کیا ہے کہ یہ آپ کے پہلے فرمان کے مطابق درحقیقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا ہے۔ (شرح النووی: ۱۶/۱۷۱) اسی کو امام ذہبی نے "سیر الأعلام" (۳/۱۲۴) اور حافظ ابن کثیر نے "البدایۃ والنہایۃ" (۸/۱۲۶، ۱۲۷) میں اختیار کیا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب اسے ماننے کے لیے تیار نہیں کہ "ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیب است"۔

چوتھے طعن کا جواب

۴۔ رہی بات بخاری ومسلم کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی باب نہ باندھنے کی، سو اس کے جواب میں اولاً یہ عرض ہے کہ کسی فضیلت کے ثبوت کو بخاری ومسلم پر موقوف کرنے کا نرالا معیار چودہ صدیوں میں سے کس مفسر، محدث، محقق یا فقیہ کا ہے؟ کیا بخاری میں تمام صاحبِ مناقب صحابہ کے مناقب وفضائل موجود ہیں

وثانیاً: "عدم ذکر الشئ لایستلزم عدم وجودہ" جس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں۔

وثالثاً: ایسا ہے بھی نہیں، بلکہ مسلم کے حوالے سے تو ہم ابھی ذکر کر چکے اور امام بخاری نے اگر "صحیح بخاری" میں مناقب بیان نہیں کیے تو "التاریخ الکبیر" بھی تو انہی کی کتاب ہے۔

رہی بات امام بخاری کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات کو "ذکرِ معاویہ" کے عنوان سے ذکر کرنے کی، سو یہ اگر "نفی فضیلت" کو مستلزم ہے، تو ڈاکٹر صاحب سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ عباس بن عبد المطلب، ابو العاص بن الربیع، اسامہ بن زید، عبد اللہ بن عباس، جریر بن عبد اللہ البجلی، حذیفہ بن الیمان، اور ہند بن عتبہ بن ربیع رضی اللہ عنہم

اجمعین کے فضائل ومناقب کا بھی انکار کردیں، یہ الزامی جواب ہے، تحقیقی جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ''تفنن فی الکلام'' کی غرض سے ایسی تعبیرات اختیار کرتے ہیں، کذا في ''الناهية'' (ص:۳۴)۔

پانچویں طعن کا جواب

۵۔ڈاکٹر صاحب نے جو آخری طعن ذکر کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں وارد روایات کو مَن گھڑت اور موضوع قرار دیا ہے، پھر آخر میں اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی کا حوالہ بھی دیا ہے۔

جہاں تک بات ہے اسحاق بن راہویہ اور امام نسائی کے کلام کی، تو اس کا جواب سابق میں ہم تفصیل و تحقیق کے ساتھ دے چکے ہیں، رہی بات امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی، سو اس میں یہ یقین نہیں کہ وہ ''مَن گھڑت'' فضائل کون سے ہیں؟ ڈاکٹر صاحب جب تک یہ ثابت نہ کریں کہ ان ''مَن گھڑت'' فضائل سے وہی مراد ہیں، جو ہم نے سابق میں احادیث کی معتبر کتب سے محدثین کرام کی تحسین وتوثیق کے ساتھ ذکر کیے ہیں، اس وقت تک ان کا مدعا ثابت نہیں ہوگا اور یہ ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب کو بلا مبالغہ صدیاں درکار ہیں۔ لیکن ان کی سہولت کے لیے ہم خود ہی ثابت کردیتے ہیں کہ اس سے مراد وہ فضائل نہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت میں متعدد موضوع روایات اس کے علاوہ ہیں، جو ہم ذکر کر چکے، جیسا کہ حافظ ذہبی کی ''سیر الأعلام'' کے حوالے سے اکیس روایات کا حوالہ گزرا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مراد بھی وہی دیگر موضوع روایات ہیں، نہ کہ وہ جو ہم نے ذکر کیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ روایات کو خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسند أحمد'' اور ''کتاب فضائل الصحابۃ'' میں ذکر کیا ہے، اگر ان کی مراد یہی روایات ہیں، تو پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خود کیوں ان فضائل کو ذکر کیا؟

ڈاکٹر صاحب نے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ تو ذکر کیا تھا:

''ولا خلاف أن أبا سفيان ومعاوية أسلما في فتح مكة سنة ثمان''.

لیکن ابن قیم کا یہ فیصلہ نظر انداز کر گئے کہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت کی متعلقہ احادیث کذب محض ہیں:

''ومن ذلک الأحاديث في ذم معاوية رضي الله عنه، وكل حديث في ذمه فهو كذب''. (المنار المنيف في الصحيح والضعيف، ص:۱۱۷)

یہ ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے صحیح حالات۔ ان میں سے بہت سے گوشے ابھی تفصیل طلب ہیں۔ عام قارئین کو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت صحابی رسول ہیں ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ صحیح احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ سے ان کے حق میں کئی دعائیں منقول ہیں۔ ان کا شمار سرِ فہرست ''کاتبین وحی'' میں ہوتا تھا۔ حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں بیس (۲۰) سال تک شام کے ''امیر'' (گورنر) رہے۔ اس کے بعد بیس (۲۰) سال تک ''خلیفہ'' رہے، کم وبیش آدھی دنیا پر (اسلامی نظام نافذ کرکے) حکومت کرنے کے بعد ۶۰ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوکر دارِ بقاء کی طرف منتقل ہوگئے۔